ذکرِ مصحفیؔ

(۱)

(جناب نثار احمد صاحب فاروقی ۔ یونیورسٹی لائبریری دہلی)

خاندان اور حسب و نسب معلومات کے نئے وسائل اور ماخذ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غلام ہمدانی مصحفیؔ، امروہہ کے رہنے والے تھے ۔ اُن کا تعلق ایک راجپوت خاندان سے تھا ۔ اور یہ باور کرنے کے لئے بہت سے قرائن موجود ہیں کہ یہ "کلال" خاندان تھا ۔

اُن کے حالات کا سب سے پہلا ماخذ میر حسن دہلوی (متوفی ۱۰ محرم ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۷۹۶ء) کا "تذکرہ شعرائے اردو" ہے ۔ یہ تذکرہ ۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء کے لگ بھگ شروع ہو کر ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء میں ختم ہوا تھا ۔[۱] میر حسن جب ان کا حال لکھ رہے تھے اس زمانے میں مصحفی دہلی ہی میں مقیم تھے اور تجارت ان کا ذریعۂ معاش تھا ۔

"الحال در شاہجہاں آباد بہ پیشۂ تجارت بسر می برد"[۲]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن نے تذکرے کے زمانۂ آغاز ہی میں (۱۱۸۴ھ/۱۷۷۰ء اور ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء کے مابین) یہ سطریں لکھی ہوں گی ۔ دستور الفصاحت کے مرتب کا بھی یہی خیال ہے کہ :-

"میر حسن نے جس زمانے میں یہ فقرہ لکھا ہے، مصحفی دلی سے نکل کر ٹانڈہ ؟ اور وہاں سے لکھنؤ نہیں گئے تھے ۔ اگر لکھنؤ کا سفر اختیار کر چکے ہوتے تو ناممکن تھا کہ مصنف اس کا ذکر نہ کرتا ۔ مصحفی نے لکھنؤ کا یہ سفر ۱۱۸۵ھ میں سکرتال کی جنگ کے بعد اختیار کیا تھا ۔ اس بنا پر

---

[۱] احمد علی خاں یکتا ۔ دستور الفصاحت ، مرتبہ امتیاز علی عرشی (۱۹۴۳ء) دیباچہ / ۶۴ تا ۶۹ ۔ [۲] میر حسن :- تذکرہ شعرائے اردو (۱۹۴۰ء) / ۱۶۸ ۔

یقین ہے کہ اُن کا حال بھی ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ لکھا گیا ہے۔"[۱]

یہ تذکرہ میر حسن نے دلّی سے کوسوں دور فیض آباد میں بیٹھ کر لکھا تھا۔ اور مصحفی کی شہرت اس وقت تک ہندوستان گیر نہیں ہوئی تھی پھر بھی میر حسن نے جو کچھ لکھا ہے وہ مبہم اور مختصر ہونے کے باوجود، مستند ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا ذریعۂ معلومات معتمد تھا۔ میر حسن نے خاندان کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔ صرف "از نجبائے امروہہ" لکھنے پر قناعت کی ہے۔

اس تذکرے کے بعد، خود مصحفی کی تصانیف اُن کے حالات کا صحیح ماخذ ہو سکتی ہیں۔ اور اُن میں بھی نمایاں حیثیت، عقدِ ثریا، تذکرۂ ہندی اور ریاض الفصحا کی ہے۔

عقدِ ثریا ہی، جو داخلی شہادتوں کے اعتبار سے مابین ۱۱۹۵ھ و ۱۱۹۹ھ کی تصنیف ہے۔[۲] مگر اس میں بہت بعد تک اضافے ہوتے رہے،[۳] انھوں نے اپنا حال بالکل نہیں لکھا۔ صرف اتنا لکھ کر چھوڑ دیا ہے کہ:۔

"مؤلف ایں مجموعہ فقیر حقیر، غلام ہمدانی کہ مصحفی تخلّص می کند، او را نیز لازم آمد کہ در ردیف میم اشعار خود را ہم زینتِ تذکرہ نماید تا بدیں واسطہ، داخلِ حلقۂ مجلسِ یاراں باشد۔"[۴]

عقد ثریا کی تالیف سے فراغت پا کر انھوں نے تذکرۂ ہندی کی ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا۔[۵] اور اختتام ۱۲۰۹ھ (۹۵-۱۷۹۴ء) سے چند سال پہلے ہوا۔ گو اضافے ۱۲۱۰ھ (۹۶-۱۷۹۵ء) تک اس میں بھی ملتے ہیں۔[۶] اس تذکرہ میں صرف اتنا اشارہ کیا ہے کہ میرے آباؤ اجداد "نوکری خانۂ بادشاہ کرتے تھے۔ اور سلطنت میں "تفرقۂ شدید" پیدا ہو جانے کے باعث اُن کی وہ نوکری جاتی رہی۔

"...... مؤلف تذکرہ غلام ہمدانی نام دارد و مصحفی تخلص می گذارد و بزرگانش نوکری

۱۔ دستور الفصاحت، دیباچہ / ۶۸۔ ۲۔ ماسبق / ۸۳-۸۴۔ ۳۔ مصحفی: عقد ثریا (۱۹۳۴ء) / ۵۷۔ ۴۔ مصحفی: تذکرۂ ہندی (۱۹۳۳ء) / ۳۔

۵۔ دستور الفصاحت، دیباچہ / ۸۵۔

خانۂ بادشاہ کردہ اند[51] از آنجا کہ تفرقۂ شدیدے در سلطنت راہ یافتہ سلطنت خانۂ ایں روسیاہ ہم خاک برابر شد۔ ہمہ از تمتّعِ دنیا، بہرۂ وافی داشتند۔ ایں فقیر چوں بخت و طالع آں ہا نداشت ناچار از آغازِ شباب بمقتضائے موزونیٔ طبع مصروفِ تحصیل علم بود[52]۔

اس کے بعد اپنی تحصیل علم، شعر گوئی اور دیوان ترتیب دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل اپنے حالات کی نہیں لکھی۔

سب سے آخر میں، یعنی اپنی وفات سے تین چار سال قبل انھوں نے تیسرا تذکرہ "ریاض الفصحا" ترتیب دیا[53]۔ اس کا آغاز ۱۲۲۱ھ/۱۸۰۶ء اور اختتام ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۰ء میں ہوا[54]۔ اس میں مصحفی نے اپنے حالات اور حسب نسب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی ہی ایک تصنیف "مجمع الفوائد" کا حوالہ دیا تھا۔

"احوال حسب و نسبم از کتاب "مجمع الفوائد" معلوم نمائی"[55]۔

مجمع الفوائد، ایک مدت تک گمنامی کی تاریکی میں چھپی رہی۔ بارے اب اس کا سراغ مل گیا ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں اس کا ایک خطی نسخہ محفوظ ہے جس کے ترقیمہ میں لکھا ہے "رسالہ نثر وغیرہ در فارسی میاں مصحفی سلمہ"، اس سے یہ ظاہر ہے کہ مصنف کی زندگی ہی میں نقل ہوا ہوگا۔ یہ نسخہ پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی کی ملکیت تھا اور انھوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور کو بطور عطیہ دے دیا تھا۔ اسی میں کتاب مجمع الفوائد" شامل ہے۔ اس کے بعض اقتباسات سب سے پہلے ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (صدر شعبۂ اردو کراچی یونیورسٹی) نے "مصحفی اور اُن کا کلام" میں شائع کیے۔ یہ پہلے طویل مضمون کی شکل میں اورینٹل کالج میگزین لاہور میں طبع ہوا[56]۔ ازاں بعد کتابی صورت میں بھی چھپ چکا ہے[57]۔

---

۵۱ نسخہ خدابخش میں: "بزرگانش اباً عن جدٍ نوکری ال خ" (تذکرہ ہندی، حاشیہ/۲۴۷)؛ ۵۲ ماسبق/۲۴۰ ۵۳ مصحفی: ریاض الفصحا (۱۹۳۴ء)/۳۔ ۵۴ ماسبق/۲۷۰۔

۵۵ ماسبق/۲۸۶ ۵۶ اورینٹل کالج میگزین، لاہور، اگست ۱۹۴۹ء و فروری ۱۹۵۰ء

۵۷ ناشر: شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور (سال انطباع درج نہیں)۔

صدیقی صاحب نے یہ اقتباسات احتیاط سے پیش نہیں کئے۔ ایک تو نسخہ کسی کم سواد کاتب کا لکھا ہوا ہے جو:-

ہائے رُختی سے گدرج لکھتا ہے ہنوز سے ہمار!

پھر اس کی نقل میں غلطیاں ہوئیں۔ ترجمہ ہو کر و، غلط در غلط ہو گئی اور کتابت و طباعت کی غلطیاں اُس پر مستزاد ہو گئیں۔ اب سہ ماہی معاصر ٹپنہ میں جناب عطاء الرحمن عطا کاکوی نے اُس کی عبارت "مصحفی کا کچا چٹھا" کے عنوان سے شامل کر دی ہے[1] لیکن نقل اور کتابت کی غلطیوں سے یہ بھی مبرا نہیں۔ اصل نسخہ ہمارے پیش نظر نہ ہونے کی صورت میں کوئی فروگذاشت عین ممکن ہے اس کے لئے ہم فی الحال معذور ہیں۔

مجمع الفوائد | مناسب ہو گا کہ ہم یہاں اصل عبارت مع اردو ترجمہ کے درج کر دیں تا کہ حسب ونسب اور حالات کی اس بحث میں ناظرین کو بھی آسانی ہو۔ یہ متن (معاصر حصہ ۱۲) سے منقول ہے ترجمہ راقم الحروف نے خود کیا ہے کہیں کہیں قیاسی تصحیح کر دی گئی ہے:-

فارسی متن	اردو ترجمہ
دیگر بداں کہ علمِ نجوم و علمِ رمل ونسب علم	اور معلوم ہو کہ علم نجوم و علم رمل ونسب[2]
ظنی است[2] دانش منداں را براں اعتقاد	ظنی علم ہیں۔ عقلمندوں کو ان پر پورا اعتقاد
کلی نباید مگر جزوی کہ طرفے از یقین ہم دارد	نہیں چاہیئے ہاں تھوڑا بہت، جتنا کہ ان میں
امار چوں بعضے از دوستاں سوال نسب نامہ	یقین کا شائبہ ہے۔ بہر حال ـ میرے بعض
ایں عاصی پُر معاصی دانستند بس کہ مثل	دوست اس عاصی پُر معاصی کے نسب نامے
آنہا مجہول النسب نبودم آں چہ از زبان	کی بابت سوال کرتے تھے چونکہ ان کی طرح
اجداد بہ سمع فقیر رسیدہ، بر صفحہ اعلان می نگارم	میں مجہول النسب تو تھا نہیں اس لئے جو کچھ

---

[1] معاصر حصہ ۱۲/ ۴۸ تا ۵۶ [2] علم نسب کو بھی نجوم و رمل کے ساتھ شامل کرنا اور "ظنی" بتانا مصحفی ہی کا حق ہے اور اس کے شواہد اُنھیں کے پاس ہوں تو ہوں۔

باید دانست کہ موضع اکبرپور درمیان موضع منجھاولی و شیخ پور کہ خاص مکان بود وباش اجداد من بود واقع است، ساکنان موضع گھرورہ ملکانو باہم متفق شدہ بہ سبب خصومت قدیمی سکنائے موضع مذکور را بقتل رسانیدند با زن و فرزند۔ ازاں جملہ مادر شیخ نظام بہ سبب الفت مادری پسر صغیر خود را در کاہ کدہ از دست خود انداختہ پنہاں کرد و خود بقتل رسید۔ دشمناں درو آتش زدند اما حافظ حقیقی مثل خلیل او را دراں طوفان سوختن زبانہ کشیدن نگہبان کرد و قضارا از اتفاقات پیرزنے ساکن (کذا) موضع شیخ پور بہ تماشائے مقتولاں آمدہ بود۔ نظرش برآں وضیع افتاد کہ سر ابہام خود را سر پستان مادر فہمیدہ می کشید و ازاں لذت شیر مادر می چشید آں طفلے راکہ در گہوارہ آتش زیست و پا می زد ازاں مقام برداشتہ بخانہ خود پنہاں کردہ بزود متوجہ پرورش او شد۔ تا آں کہ مدتے برین آمد و عمرش قریب

اپنے باپ دادا کی زبان سے فقیر نے سنا ہے لکھے دیتا ہوں۔

جاننا چاہیے کہ موضع اکبرپور جو میرے اجداد کے بود و باش کی خاص جگہ ہے، موضع منجھاولی اور موضع شیخ پور کے درمیان واقع ہے موضع گھرورہ ملکانو والوں نے قدیم دشمنی کی بنا پر متفق ہو کر مذکورہ موضع کے تمام باشندوں کو مع زن و فرزند کے قتل کر دیا۔ انھیں میں شیخ نظام کی والدہ بھی تھی جس نے ماں کی ممتا سے مجبور ہو کر اپنے چھوٹے بیٹے کو ایک بھس کے ڈھیر میں اپنے ہاتھوں سے چھپا دیا اور خود قتل کر دی گئی۔ دشمنوں نے اس میں آگ لگا دی مگر نگہبان حقیقی نے حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس بچے کو بھی آگ کے شعلوں اور لپٹوں کی زد میں محفوظ رکھا۔ اتفاق سے موضع شیخ پور کی ایک بڑھیا مقتولوں کا تماشا دیکھنے آئی تھی اس کی نظر اس شیرخوار بچے پر پڑی جو اپنے انگوٹھے کو ماں کی چھاتی سمجھ کر چوس رہا تھا اور اس سے ماں کے دودھ کی لذت پا رہا تھا۔ اس بچے کو جو آگ کے پالنے میں ہاتھ پاؤں

بدوازدہ سالگی رسید۔ روزے
میان طفلاں بازی می کرد۔ اطفال گفتند
کہ قریۂ تو آن است متعجب شدہ چوں
بخانہ آمد از پیرزال پرورش کنندہ
پرسید کہ مادر و پدر من کجا است (کذا)
و من فرزند کیستم؟ پیر زال آں چہ
بود ہمہ ماجرائش او (را) بیان کرد۔
چوں ازیں قصہ پر غصہ تمام شب دیگ
غیرتش جوش داشت۔ علی الصباح
از چشم پرورندہ پنہاں شدہ بہ طرف دکن
رفت۔ ہرگاہ بہ منزل مقصود بہ سلامت
رسید بخانۂ آب کشے فروکش کرد (کذا)
آب کش بلوازم مہمان داری پرداختہ
او را بہ عزت و حرمت ہرچہ تمام تر درخانۂ
خود جاداد (کذا) کار از بے گانگی
بہ یگانگی کشید و فیمابین ارتباط دلی
چناں موثر گردید کہ ایں یوسف سفر کردہ
و تعب بے وارثی چشیدہ بہ فرزندگی
آں آب کش از چاہ بلا برآمد کلاہ
فخر بہ آسمان انداخت مشارٌ الیہ
در محل یکے از سادات عالی تبار بصیغہ

مار رہا تھا وہاں سے اُٹھا کر اپنے گھر میں
چھپا دیا اور فوراً اس کی پرورش میں لگ
گئی یہاں تک کہ اس بات کو ایک زمانہ گذر
گیا اور اس کی عمر بارہ سال کے قریب ہوگئی۔
ایک دن وہ بچوں میں کھیل رہا تھا۔ انھوں
نے کہا تیرا گاؤں تو وہ ہے۔ اُسے تعجب ہوا۔
جب اپنے گھر آیا تو اپنی پالنے والی بڑھیا
سے پوچھا کہ میرے ماں باپ کہاں ہیں؟
اور میں کس کا بیٹا ہوں؟ بڑھیا نے سارا
ماجرا اس سے بیان کر دیا۔ چونکہ اس
افسوسناک قصے سے تمام رات اس کی
غیرت جوش مارتی رہی، علی الصباح بڑھیا
کی نظروں سے بچ کر دکن کی طرف چلا گیا
جب منزل مقصود پر خیریت سے پہنچ گیا
تو ایک سقے کے گھر قیام کیا۔ اُس سقے نے
مہمان داری کے سب لوازم پورے کئے
اور اُسے باعزت و احترام اپنے گھر میں
رکھا۔ رفتہ رفتہ بے گانگی دور ہوگئی اور
دونوں کے درمیان دلی ارتباط اتنا ہوگیا
کہ یہ بے وطنی اور بے وارثی کے دکھ سہنے
والا لڑکا، اُس سقے کا فرزند بن گیا۔ اس

آب رسانی و خدمت گذاری ایں عہدہ
بامور بود۔ چندے ایں طفل را مشکیزۂ
پُر آب بر دوش دادہ ہمراہ خود دراں
محل بُردن گرفت۔ با وصف تغیرِ حالت
لمعۂ شرافت و نور سعادت از پیشانیٔ
او لمعانِ ظہور داشت۔ سیدہ کہ خاتون
خانہ بود متفحص احوال او شد و تمام ماجرائش
دریافتہ پرسید کہ تو طفل کدام قومی؟ شیخ
نظام گفت کہ من سیدزادہ ام۔ آخر آخر
سیدہ او را بہ ہزار منت و سماجت ازاں
سقا گرفتہ فرزند خود نمود و حق بہ مرکز
قرار یافت و بہ ملبوس فاخرہ او را ملبس
ساختہ بپیش ادیب فرستاد و بہ مکتب
نشانید تا آنکہ در چند سال جوان شد
و بہ زیور علم و فضل محلّی گردید و ہمہ علوم
آداب و فوائد تہذیب را آموختہ محسود
اقران گردید۔ سیدہ دخترے
داشت مثل ماہ تاباں باو منسوب
کردہ بجبالۂ نکاحش در آورد۔ چوں
جد شیخ نظام راجپوت بودہ است،[لہ]

طرح اس کی مصیبت دور ہو گئی وہ سقہ
سادات عالی تبار کے گھرانوں میں سے
ایک محل میں پانی بھرنے کی خدمت پر مامور
تھا۔ کچھ دنوں تک اس بچے کے کندھوں پر
مشک دے کر اپنے ساتھ محل میں لے جاتا
رہا۔ ان پھٹے حالوں کے باوجود سعادت
و شرافت کا نور اُس بچے کی پیشانی سے ظاہر
تھا۔ سیدہ نے جو اس محل کی بیگم تھی اُس کا
احوال پوچھا۔ اور جب سارا حال معلوم
ہوا تو دریافت کیا کہ تو کس قوم کا لڑکا ہے
شیخ نظام نے کہا میں سیدزادہ ہوں۔ آخر
بی سیدانی نے منت سماجت کر کے اُس
سقے سے اُسے لے لیا اور اپنا فرزند بنالیا۔
اسے عمدہ لباس پہنایا اور استاد کے پاس
بھیجدیا۔ چند سال کے بعد وہ جوان ہوا
اور علم و فضل کے زیور سے بھی آراستہ ہو گیا
تمام علوم و آداب اور فوائد تہذیب سیکھ کر اپنے
زمانے کا محسود ہوا۔ بی سیدانی کی ایک چاند
سی لڑکی تھی۔ وہ اس سے منسوب کر کے
اس کے حبالۂ نکاح میں دیدی۔ چونکہ شیخ

لہ مصنف نے اپنے آباؤ اجداد کے نام کے ساتھ لفظ شیخ نسب کے طور پر نہیں لکھا بلکہ تعظیمی ہے (باقی حاشیہ ص ۲۸۸ پر)

فرزندش یعنی پدرِ شیخ نظام باسلام آمده
تجدید مسلمانی و نومسلمی بہ فریب بود
مطربان زمقربان) و وده ہندی
او اوجِ حشمت شیخ نظام شنیده در
دکن رفته بہ تعریفش از اجداد ہندی
زبان کشادند آں گاه معلوم شد کہ ایں
جواں نومسلم است۔ فرزنداں سیده
خواستند کہ ایں را بکشند کہ ہمشیرۂ مارا
بفریب سیادت گرفته۔ مادر ایشاں
مانع آمده گفت ہرچہ شد شد۔ حالا کشتن
بنی آدم کہ رشتۂ باو بخود پیدا کرده
باشیم روا نباشد۔ او را بوطنش رخصت
نمائیم تا آرزوئے دل او ہم بر آید۔
بعد چندے ہمیں بہ عمل آمد۔ ثروت وحشمش
بدوش ملوک و سلاطین می زد ہر گاه
بطرف دہ خود با لشکرِ گراں روان
شد آوازۂ آمد آمد او شنیده ہولے
عظیم بہ قریات دشمناں افتاد۔ آخر
چوں قریب بدہ خود فوج و لشکر تن فائز

نظام کے دادا راجپوت تھے اور اُن کے
فرزند یعنی شیخ نظام کے والد نے اسلام
قبول کیا تھا اس کے نومسلم گھرانے کے
عزیزوں کو جب شیخ نظام کی ثروت و
حشمت کا حال معلوم ہوا تو وہ دکن گئے
اور وہاں ان کے اجداد ہندی کی تعریفیں
مشہور کرنا شروع کردیں۔ جب معلوم
ہوا کہ یہ جوان نومسلم ہے تو سیدانی کے
لڑکوں نے چاہا کہ اسے جان سے مار ڈالیں
کیونکہ اس نے سیادت کا فریب دے کر
ہماری بہن سے نکاح کر لیا۔ لیکن ان کی
ماں نے روکا اور کہا کہ جو ہوا سو ہوا۔ اب
ایک آدمی کو مارنا، جس سے خود میں نے رشتہ
پیدا کیا ہے جائز نہ ہوگا۔ اُسے اس کے وطن
بھیج دینا چاہیئے تا کہ اس کے دل کی مراد
بھی پوری ہو۔ کچھ دن کے بعد ایسا ہی ہوا۔
اس کی ثروت بادشاہوں جیسی تھی۔ جب
بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ اپنے گاؤں کی
طرف آیا تو اس کی آمد آمد کا آوازہ سنکر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۷) ورنہ راجپوت کا پوتا "شیخ نظام" کیسے ہوسکتا ہے۔ یہ تصریح اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ بحث میں خلل انداز نہ ہو۔ ہم نے بھی جہاں کہیں "شیخ" لکھا ہے اس سے یہی مراد ہے۔

گردید شخصے از قوم رانگرہ (رانگڑ)[1] دختر خود را در محافہ سوار کردہ برد داد۔ ایشان از بی سیدہ زنِ خود پرسیدند او گفت بگیرید۔ ازاں دختر رانگرہ (رانگڑ) فرزنداں بسیار بر زمین پیدا شدند (کذا) امّا شیخ نظام از پیدا نشدنِ فرزند از بطنِ بی سیدانی ہمیشہ غمناک بماند۔ چوں مدّتِ مدید گذشت و امیدواری بہ یاس مبدّل گشت بی سیدانی گفتند کہ از من نسل تو جاری نخواہد شد دخترے دیگر از قوم خود بخواہ بحکم بی سیدانی شیخ نظام دختر از قوم خود را نکاح داد (کذا) قضا را و حاملہ شدہ فرزند آورد۔ آن زن بوجود فرزند بر بی سیدانی خود را ترجیح فہمیدہ۔ بی سیدانی دعائے بد کرد تا آں کہ آں فرزندش بمرد و بعد چندے خود ہم از قضائش ودیعتِ حیات سپرد۔ کرامت بی سیدانی بر ہمہ کس ظاہر شد۔ ہمہ ترساں و لرزاں می ماندند۔ و بر شیخ نظام ہم از سابق زیادہ تر بہ توقیر ایشاں اہتمام می

دشمنوں کے گاؤں میں تہلکہ پڑ گیا۔ جب اپنے گاؤں کے قریب آکر خیمہ زن ہوا تو قوم رانگڑ کا ایک شخص اپنی بیٹی کو ایک محافے میں سوار کرکے اس کے پاس لایا۔ اس نے بی سیدانی، اپنی بیوی سے پوچھا اس نے کہا لے لو۔ اس رانگڑ کی بیٹی سے بہت سی اولادیں پیدا ہوئیں۔ لیکن شیخ نظام کو ملال تھا تو بی سیدانی کے بطن سے اولاد نہ ہونے کا۔ اس فکر میں وہ ہمیشہ ملول رہتا تھا۔ جب ایک طویل زمانہ گذر گیا اور امید کی ہر شکل یاس میں مبدّل ہو گئی تو بی سیدانی نے کہا کہ مجھ سے تمھاری نسل نہیں چلے گی اپنی قوم کی کسی لڑکی سے نکاح کر لو۔ بی سیدانی کے حکم کے مطابق شیخ نظام نے اپنی ہم قوم لڑکی سے نکاح کر لیا۔ خدا کے حکم سے وہ حاملہ ہوئی اور ایک فرزند پیدا ہوا۔ وہ عورت بیٹا ہونے کی وجہ سے خود کو بی سیدانی پر راجح سمجھتی تھی۔ سیدانی نے بد دعا دی جس سے وہ لڑکا

---

[1] امروہہ کے نواحی دیہاتوں میں غیر مسلموں کی ایک گوت ہے جسے رانگڑ کہتے ہیں۔ اس کا نسبی تعلق بھی غالباً راجپوتوں ہی سے ہے۔

نو رزند می تر سیدند و بدون حکم ایشان
ہیچ کار نمی کردند۔ از ملامت شیخ نظام
(کذا) فہمیدہ باز ایشاں را بہ دوانگی عقد
نکاح بدختر قوم خود دادند بار دیگر ایشاں
حکم بی سیدانی را کار بند شدہ نکاح
ثالث کردند از فرمانِ خدا آں دختر ہم
حاملہ شد و فرزند نرینہ از و بوجود آمد۔
مادرش آں فرزند را بہ پائے بی سیدانی
انداخت۔ بی سیدانی دست نوازش
بر پشت او گذاشت و گفت کہ ایں فرزند
من است و تو دایۂ او ہستی۔ بپرورش
او کن و شیر دہ۔ او را ازاں فرزندِ ارجمند
دوازدہ پشت گذشتہ کہ سلسلہ نسب ما
بر من مسکین اختتام پذیرفتہ۔ واز ہیچ
برادرے و فرزند برادرے فرزندے
نماندہ کہ باعث ابقائے نسل باشد۔ لہذا
مدار بر فرزندانِ طبیعت ایں عاصی است۔
دیگر ہیچ۔

اَللّٰہُ بَاقِیْ وَ مِنْ کُلِّ اِلْفَانْ (کذا)
وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُوالْجَلَالِ
وَالْاِکْرَامِ۔

مر گیا اور کچھ دن کے بعد وہ عورت بھی جاں بحق
ہو گئی۔ بی سیدانی کی کرامت سب پر ظاہر
ہو گئی اور سب ترساں و لرزاں رہنے لگے
شیخ نظام بھی پہلے سے زیادہ اس کی توقیر
میں اہتمام کرنے لگے اور اس سے ڈرتے
تھے۔ بغیر اس کے حکم کے کوئی کام نہ کرتے
تھے۔ آخر اس نے شیخ نظام کو پھر اپنی
قوم میں نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔
پھر انھوں نے تعمیلِ حکم کی اور تیسرا نکاح کر لیا۔
خدا کے حکم سے وہ لڑکی حاملہ ہوئی اور ایک
فرزند نرینہ اس سے پیدا ہوا۔ اس کی
ماں نے بیٹے کو بی سیدانی کے قدموں میں
ڈال دیا۔ بی سیدانی نے اس پر نوازش کا
ہاتھ پھیرا اور کہا کہ یہ میرا ہی بیٹا ہے اور
تو اس کی دایہ ہے۔ جا اس کی پرورش کر
اور اسے دودھ پلا۔

اُسے اس فرزند سے لے کر اب تک
بارہ پشتیں ہوتی ہیں اور نسب کا سلسلہ مجھ
مسکین پر ختم ہوا ہے۔ اب کسی بھائی یا بھتیجے
کے اولاد نہیں ہوئی کہ نسل باقی رہ جاتی
لہذا اب میں اپنے فرزندانِ معنوی پر بھروسا

روایت دیگر کہ از اول ثبوت دارد (کذا)
ایں است کہ فوجے گراں از طرف ولایت
بایں ناحیہ عبور کردہ۔ سکنے (کذا) قریۂ
ما را بہ قتل رسانیدہ چناں کہ از زن و مرد
احدے باقی نماندہ بجز شیخ نظام کہ بہ عمر
دوازدہ سالگی مثل حضرت زین العابدین
بلاتشبیہ از قضائے آسمانی بہ طریقے
فروگذاشت شدہ در غارت گری بدست
سقائے افتادہ و بہ اسیری رفتہ۔ سقا
او را بخانۂ خود بردہ بہ فرزندی گرفتہ
بود کہ بی سیدانی روزے از احوالش
شنیدہ او را از آں سقا گرفتند و فرزند
خود نمودند بعد از انقضائے چند سال
و جواں شدن و کتخدا گردیدن و ثروت
پیدا کردن حب وطن دامن دلش بسوئے
خود کشید از آں جا با لشکرے عظیم رواں
شد اعالی و ادانی خبر آمد آمد او شنیدہ
غاشیہ اطاعتش بر دوش کشیدند۔ از شیخ
نظام کہ ہنوز مقبرۂ سنگین او در موضع
اکبر پور کہ آب و ہوائے خوش دارد
متصل کنارۂ آب جمن واقع شدہ ایں عاصی

کرتا ہوں۔ اور سب ہیچ ہے۔
(اللہ ہی باقی رہنے والا ہے اور ہر شے
فانی ہے۔ صرف تیرے جلال و اکرام والے رب کی
ذات باقی رہے گی۔

دوسری روایت جو پہلی سے ملتی جلتی
ہے یہ کہ ایک زبردست فوج ولایت کی طرف
سے اس علاقے کو عبور کرنے آئی۔ اور ہمارے
گاؤں کے سارے باشندوں کو قتل کر دیا،
ایسا کہ ان کی عورتوں اور بچوں میں سے بھی
کوئی باقی نہ بچا۔ لیکن شیخ نظام جو بارہ سال
کے تھے اور بلاتشبیہ حضرت زین العابدینؓ
کی طرح کسی صورت سے محفوظ رہ گئے، وہ
لوٹ مار میں ایک سقے کے ہاتھ لگے اور قیدی
بن کر چلے گئے۔ سقہ انھیں اپنے گھر لایا
اور بیٹا بنا لیا۔ ایک دن بی سیدانی نے اس کا
حال پوچھا اور سقے سے انھیں لے لیا اپنا
بیٹا بنایا اور کچھ برسوں کے بعد جب وہ جوان
ہوئے، شادی کر لی اور جاہ و ثروت پیدا
کی تو وطن کی محبت نے جوش مارا وہاں سے
بھاری قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ چھوٹے
اور بڑے سب ان کے آنے کی خبر سن کر اُن کی

بہ معاصی بہ پشت دو از دہم یا کم و زیادہ	اطاعت کے واسطے حاضر ہوئے شیخ نظام سے
خواہد بود[1]۔ ۔ ۔ ۔"	اس عاصی تک بارہ یا کم و بیش پشتیں گذری
....	ہیں۔ ان کا مقبرہ موضع اکبرپور میں سنگین بنا
....	ہوا ہے۔ یہ گاؤں جمنا کے کنارے واقع ہے
....	اور بڑی عمدہ آب و ہوا ہے۔

منقولہٴ بالا عبارت سے چند باتیں قطعی طور پر صراحت کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہیں۔ اولاً یہ کہ مصحفی اکبرپور کے رہنے والے تھے جو موضع منجھاولی اور موضع شیخ پور کے درمیان واقع ہے[2]۔ ثانیاً یہ کہ دس بارہ پشت اوپر ان کے دادا شیخ نظام تھے۔ شیخ نظام راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے والد نے اسلام قبول کیا تھا۔ تیسری بات یہ کہ شیخ نظام کی پرورش ایک ستّے نے کی تھی انھوں نے تین نکاح کئے۔ پہلا کسی خاندان سادات کی دختر سے اور باقی دو اپنے قبیلے میں۔ تیسری اور آخری بیوی سے اولاد پیدا ہوئی اور مصحفی کے اجداد اسی کے بطن سے تھے۔

مجمع الفوائد کی تمہید میں مصحفی کا یہ ادعا کہ "بس کہ مثل آں ہا مجہول النسب نبودم آں چہ از زبان اجداد بہ سمع فقیر رسیدہ، بر صفحہ اعلان می نگارم"۔ حیرت انگیز ہے جب کہ انھوں نے اپنے نسب کے سلسلے میں صرف دو روایتوں کا نقل کرنا ہی کافی سمجھا ہے۔ اپنے باپ ولی محمد اور دادا درویش محمد کا نام لکھا ہے اور دسویں یا بارہویں پشت میں شیخ نظام کا نام بتاتے ہیں اس سے زیادہ حالات خود انھیں معلوم نہیں۔ اور ان روایات کی حیثیت ظاہر ہے کہ نیم تاریخی بھی نہیں۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس بیان سے ہمیں کچھ روشنی مل جاتی ہے۔ اور امروہہ کے قبائلی انساب پر نظر رکھتے ہوئے یہ حکم لگایا جا سکتا ہے کہ مصحفی کا تعلق کس خاندان سے تھا۔

امروہہ اور اس کے نواحی قصبات و قریات میں غیر مسلموں کی بڑی آبادی راجپوت ہے۔ کلال

---

[1] مصحفی: مجمع الفوائد (قلمی)، بحوالہ معاصر حصہ ۱۲۔ [2] اکبرپور کے بارے میں وضاحت کے ساتھ بحث "مولد" کے باب میں ہوگی۔

خاندان کا تعلق بھی اسی قبیلے سے ہے۔ برن، بلند شہر، میرٹھ اور امروہہ کے نواحی علاقوں میں کلالوں کی آبادی کا ثبوت بہت قدیم زمانے سے ملتا ہے اس کے افراد زیادہ تر شمالی ہند میں آباد ہیں:۔ قوم کلال کا نسبی تعلق صبیوار راجپوتوں کی ایک گوت سے ہے جو کلال کے نام سے موسوم ہے[۱]"۔ اس قوم کے اشراف دربار شاہی کے مقرب اور خدمت گذار رہے ہیں۔ چنانچہ مؤلف تحقیق الانساب نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے متعدد حوالے دیئے ہیں۔ ازاں جملہ صاحب "مرات آفتاب نما" کا قول نقل کیا ہے:۔

"کلال و خدمتیہ قومیست کہ پیشۂ ایشاں چوبداریست و شراب فروش را کرال دیا کلار، می گویند فرقہ دیگر است[۲]"۔

مولوی عبدالقادر خان غمگین رامپوری (متوفی مئی ۱۸۴۹ء) نے اپنے روزنامچے میں، جس کا قلمی نسخہ نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمٰن خان شروانی مرحوم کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے نے ایک جگہ قوم کلال کے بارے میں لکھا ہے:۔

"قوم کلال... کہ فراش و چوبدار و خدمت گار بیشتر دراں ملک ازان است و ایں کار را از دیگراں بہتر و نیکوتر بانجام رسانند چند کس از اینہا بدور انگریزی نوشت و خواند آموختہ مولوی و منشی ہم شدند[۳]"۔

کلمات الشعرا (قلمی) سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ مئی کلال نامی ایک ہزار و پانصدی منصب دار جہانگیر کے دربار میں چوبدار تھا اور مئی تخلص کرتا تھا۔ ایک دن اس نے نور جہاں بیگم سے درخواست کی:۔

"بادشاہ کے حضور میں شعر سنانے کی اجازت مل جائے تو میرے لئے باعث افتخار ہو۔ بیگم نے موقع پا کر سفارش کی۔ بادشاہ کو ایک چوبدار کی یہ جسارت پسند نہ ہوئی تاہم بیگم کی خاطر سے اجازت مرحمت کی"۔

۱ے محمود احمد عباسی: تحقیق الانساب (۱۹۴۲ء) / ۳۵۱۔ ۲ے بحوالۂ ماسبق / ۳۵۵۔ ۳ے روزنامچہ مولوی عبدالقادر (قلمی) کتب خانہ حبیب گنج۔ بحوالۂ ماسبق / ۳۵۵۔

صاحب کلمات الشعر لکھتے ہیں:-

"بیگم بہ ہنگام شعر خوانی بہ عرض بادشاہ رسانید کہ مئی چوبدار طبع موزوں دارد۔ اگر حکم شود اورا حاضر گردانند۔ بادشاہ فرمود کہ نوبت شعر تا بایں جا رسید کہ چنیں مردم ..... شعر گویند مگر می خواہند کہ بایں وسیلہ ہم کلام بادشاہ شوند چہ ضرور کہ متوجہ کلام ..... باید شد۔ بیگم عرض کرد کہ خانہ زاد است۔ در حضرت پرورش و تربیت یافتہ۔ چوں بادشاہ خاطر بیگم بسیار دوست می داشت حکم کرد کہ بیارید"

مئی کلال حاضر کیا گیا۔ مگر شومئی قسمت سے پہلا شعر جو اس کی زبان سے نکلا یہ تھا:-

مئی بگیر یہ سر دار دائے نصیحت گر　　　کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

بادشاہ شعر سنتے ہی ہنس پڑے اور فرمایا کہ شعر میں بھی اپنے پیشے کا استعارہ ترک نہ کیا، اسے دور کرو۔ کچھ عرصے کے بعد بیگم کی دوبارہ سفارش سے پھر باریابی کا موقع ملا اس مرتبہ بھی ایسا ہی شعر پڑھا:-

من می روم و برق زناں شعلۂ آہم

اے ہم نفساں "دور شوید" "از سر راہم"

تاہم بپاس خاطر نورجہاں بیگم بادشاہ نے پرورش فرمائی اور آخر کار ہزار و پانصدی منصب پر سرفراز ہوا۔[۱] اس لطیفے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کلال قوم کے افراد بادشاہ کی چاکری میں بہت قدیم زمانے سے رہے ہیں۔　　　(باقی)

---

[۱] محمود احمد عباسی:- تحقیق الانساب / ۵۶ - ۳۵۵-